مرزا عبدالقادر ۔ مدرس خودی

محمد منور

بہ جیب تست اگر خلوتی وانجمنیست
بروں ز خویش کجا میروی جہاں خالیست

بڑے شعرا کے نام کا دل پر بڑا رعب رہا ـــــ کلام اٹھا کر دیکھا تو بیشتر حضرات کے رعب کا ایک قابل لحاظ حصہ کافور ہو گیا ۔ مگر بعض بزرگ ایسے بھی تھے کہ ان کے رعب میں کمی کے بجائے الٹا اضافہ ہی ہوا ۔ ابو المعانی مرزا عبدالقادر بیدل اسی دوسرے گروہ والا شکوہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان کے کلام کا مطالعہ جوں جوں بڑھتا ہے رعب کا ایک جادو ہے کہ چڑھتا چلا جاتا ہے ۔ حتٰی کہ مطالعہ کرنے والا پھر کسی دوسرے سے مرعوب ہونے کے لائق ہی نہیں رہتا ـــــ بیدل کیا ہوئے اچھے بھلے کوہ ندا ہوئے جس کے کان میں ان کا آوازہ پڑ گیا ۔ پھر اس نے کسی کی نہ سنی ، رخ الھیں کی طرف رہا اور آخر مارا گیا ۔ نہ غازی ، نہ شہید ۔

بیدل کی جوانی نے مغلیہ سلطنت کے ماہتاب کو بدر کامل پایا ، ان کے بڑھاپے نے اس مہتاب کی تابش کو زوال سے دوچار دیکھا ۔ بہرحال وہ اس مملکت کے فرد تھے جو نواحِ بدخشاں سے میسور تک اور قندھار کی دیواروں سے چٹاگانگ اور آسام کی پہاڑیوں تک پھیلی ہوئی تھی اس مملکت کے سیاسی انحطاط کے باعث رفتہ رفتہ فارسی زبان کو بھی برعظیم پاک وہند میں زوال آنے لگا ۔ اور آخرکار وہ اس مملکت کے بیشتر حصوں سے ناپید ہو گئی ۔ بیشتر کی جگہ سر تا سر اس لیے نہیں کہا کہ اس عظیم سلطنت کے صوبہ کابل میں فارسی بچ گئی ، وہ صوبہ کابل جو اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں افغانستان کے

نام سے ایک خود مختار قلمرو میں تبدیل ہو گیا ۔ صوبۂ کابل چونکہ مغلیہ سلطنت کا حصہ تھا لہذا وہ اس کے زیر سایہ نمو پانے والی ہر علمی ، ادبی ، دینی اور ثقافتی دولت میں برابر کا شریک تھا ۔ چنانچہ بیدل کا کلام بھی وہاں خود بخود پہونچ گیا اور پھر وہاں سے ترکستان میں سرایت کر گیا ۔ بہرحال صوبۂ کابل میں (یعنی موجودہ افغانستان میں) چونکہ فارسی باقی رہی اس لیے بیدل بھی وہاں زندہ رہا ۔ ترکوں اور افغانوں کے مزاج کو بیدل سے ایک خصوصی لگاؤ ہے بالخصوص افغانستان میں تو جس ذوق اور ولولے سے بیدل کو پڑھا جاتا ہے کسی دوسرے شاعر کو نہیں پڑھا جاتا ـــــ مجھے اس احساس سے حسد ہوتا ہے کہ اس دولتِ بیدار سے وہ وطن کیوں محروم ہے جہاں سے اس کا ظہور ہوا ـــ فقط ایک بیدل ہی کے چھن جانے کا شعور اس بے پایاں درد کو تازہ کر دینے کے لیے کافی ہے کہ ہم فارسی زبان سے محروم ہو کر کس روحانی خزانۂ عامرہ سے محروم ہو گئے ۔

بیدل کے بعد شیخ علی حزیں وارد ہند ہوئے ، اگرچہ وہ کلیم کی چوٹ کے شاعر تھے لیکن وہ بھی جلد ہی بعد در آنے والی ادبی و علمی بے سروسامانی کی نذر ہو گئے ۔ غالب بیچارے بھی فرمایا ہی کرتے رہے کہ ''فارسی بیں تا بہ بینی'' ـــــ مگر یہاں فارسی کی بین کون سنتا ۔ مولانا گرامی جیسے کلاسیکی اسلوب کے غزل گو اور رباعی نگار برعظیم پاک و ہند کے ایک محدود سے حصے میں روشناس ہو سکے ۔ اور بس ۔ حتیٰ کہ علامہ اقبال کا فارسی کلام جو زبان و بیان اور روح و معانی کی رو سے فارسی شاعری کے سلسلہ الذہب کی ایک حسین کڑی ہے خود اپنے وطن میں ''قصور وار غریب الدیار'' ہو کر رہ گیا ہے ۔ بعض فرہاد منش خانہ خرابوں کو چھوڑ دیا جائے تو اس برعظیم کے اردو خوان و اردو داں حلقوں میں بیدل کے نام نامی کو غالب نے زندہ رکھا ۔ یہ الگ بات ہے کہ بہ بدنامی زندہ رکھا ۔ وہ اس طرح کہ انھوں نے آفتاب عمر ڈھلنے پر اپنے دورِ نو آموزی کی اکثر اردو شاعری کو گمراہی قرار دیا اور اس گمراہی کی ذمہ داری کا بار بیدل کے کاندھوں پر لاد دیا ۔ انھیں خدا نے یہ کہنے کی کبھی توفیق نہ دی کہ اصل مسئلہ تھا ''نو پروازم و شاخِ بلندے آشیاں دارم'' ـ بیدل کا قصور نہ تھا ـــــ تقلید بیدل اور وہ بھی نوعمری میں اور ستم بالائے ستم یہ کہ

اردو میں ، یہ بڑی او گھٹ گھاٹی تھی ۔ مرزا غالب ہانپنے لگے اور پھنس کر رہ گئے ۔

غالب نے اپنی اس گمراہی سے نجات یابی کی طرف اپنے کلیات فارسی کے آخر میں ذکر کیا ہے ۔ مولانا حالی نے اس بیان کا جو ترجمہ ''یادگار غالب'' میں نقل فرمایا ہے ہدیۂ ناظرین ہے ۔

خدا توفیق کیش کفر بخشد ''دیں پناہاں'' را

''اگرچہ طبیعت ابتدا سے نادر اور برگزیدہ خیالات کی جویا تھی لیکن آزادہ روی کے سبب زیادہ تر ان لوگوں کی پیروی کرتا رہا جو راہ صواب سے نابلد تھے ۔ آخر ان لوگوں نے کہ اس راہ میں پیشرو تھے دیکھا کہ میں باوجودیکہ ان کے ہمراہ چلنے کی قابلیت رکھتا ہوں اور پھر بے راہ بھٹکتا پھرتا ہوں ان کو میرے حال پر رحم آیا اور انھوں نے مجھ پر مربیانہ نگاہ ڈالی ۔ شیخ علی حزیں نے مسکرا کر میری بے راہ روی مجھ کو جتائی ، طالب آملی اور عرفی شیرازی کی غضب آلود نگاہ نے آوارہ اور مطلق العنان پھرنے کا مادہ جو مجھ میں تھا اس کو فنا کیا ۔ ظہوری نے اپنے کلام کی گیرائی سے میرے بازو پر تعویذ اور میری کمر پر زاد راہ باندھا اور نظیری نے اپنی روش خاص پر چلنا مجھ کو سکھایا ، اب اس گروہ والا شکوہ کے فیض تربیت سے میرا کلک رقاص ، چال میں کبک ہے تو راگ میں موسیقار ، جلوے میں طاؤس ہے تو پرواز میں عنقا ۔[1]''

غرض بیدل جن کے بارے میں مرزا غالب نے کبھی کہا تھا کہ ''عصائے خضر صحرائے سخن ہے خامہ بیدل کا ۔'' یا ان الفاظ میں اقرار عجز کیا تھا کہ

طرز بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے

انھیں بیدل کو ''راہ صواب سے نابلد'' قرار دے دیا ۔ علاوہ ازیں اردو خطوط میں بھی غالب نے اپنی ابتدائی گمراہی کا ذکر کیا ہے اور بیدل کو مجرم بنایا ہے ۔ بہرحال فارسی کی موت کے باعث بیدل تک براہ راست رسائی کے مواقع کم سے کم ہوتے گئے اس لیے مغلوبان غالب نے جن

۱۔ یادگار غالب ، مجلس ترقی اردو لاہور ۔ ص ۲۸۱ ۔

کی اکثریت کثیرہ غالب کو محض ان کے اردو کلام کی وجہ سے جانتی ہے غالب کی اس ''ہزیمت سرائی'' کی لم سمجھے بغیر بیدل کو ہدف ملامت بنائے رکھا ـــ اور تو اور علامہ شبلی ایسے صاحب نظر اور خوش ذوق ادیب بھی اس ''واویلا'' سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے - چنانچہ یونہی الھوں نے بھی چلتے چلتے بیدل کے دو ایک پھول مار دیئے جس سے ''منصوران بیدل'' کے دل مجروح ہوئے - کاش علامہ شبلی نے کلام بیدل کے زاویہ' فکی دستگاہ میں جھانکی مار کے بات کی ہوتی -

جو دل پر گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح
کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا (حالی)

لیکن راز کی بات یہ ہے کہ مرزا غالب تمام عمر مرزا بیدل کے اثر سے نہ نکل سکے - بس اُن کے دو ایک نفسیاتی پیچ تھے - وہ خود ہی صید تھے - خود ہی دام ، خود ہی اپنے صیاد ، وہ بیدل کو بیجا بدنام کرتے رہے - ہم اس امر پر ''صحیفہ'' لاہور کے غالب نمبر جلد اول میں شامل اپنے مقالہ ''غالب کی فارسی غزل'' میں کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈال چکے ہیں - اہل حق اور اہل شک ضروری جانیں تو ایک نظر اُن سطور پر ڈالیں لیں ممکن ہے انھیں بیدل خضر نظر آئے اور آئندہ وہ انھیں راہزن سمجھنا چھوڑ دیں - بیدل نے بجا فریاد کی تھی :

ہزار نامہ کشودم زنالہ ، لیک چہ سود
کسی ندید کہ من قاصد چہ پیغامم

بیدل کی تحریریں گلشن صد رنگ ہیں - نظم بھی اور نثر بھی - اس گلشن کی کس کس کیاری کی سیر کی جائے - انھوں نے حمد ، نعت ، منقبت ، مثنوی ، قیصدہ ، غزل ، رباعی ، قطعہ ، مخمس ، ترکیب بند ، ترجیع بند ، مرثیہ ، رقعات ، نکات اور یہ اور وہ ، بہت ہی کچھ لکھا ہے - ان ساری تحریروں کا سرسری مطالعہ بھی ''طلبگار مرد'' ہے ، ہزاروں مقامات ایسے ہیں کہ ذرا غور ہوا تو ''جا انیجاست'' کا طور ہوا اور رک کر رہ گئے -

ایک امر تو واضح ہے کہ شاعری محض ایک حد تک ہی شاعری کی معلومات ، خیالات ، جذبات ، اور امید و آرزو پر روشنی ڈالتی ہے - اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ شاعر جو کچھ بیان کرے وہ اس کے

رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہو کہ شخصیت کا جزو ہو ۔ مطلب یہ ہے کہ وہ وجود ، وہ شخص ، وہ ذات اور وہ انسان زندہ جو زندگی کی کار گاہ امتحان میں عمل پیرا ہو ۔ شاعری کے آئینے میں کم کم ہی سامنے آتا ہے ۔ اس لیے کسی شاعر کو ٹھیک سے جاننے کے لیے محض اس کے کلام کو شاہد ، ترجمان اور حکم نہیں بنایا جا سکتا ۔ اس کلام کے اردگرد بھی اسے تلاش کرنا پڑتا ہے اور کئی دوسرے ذرائع کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے ۔ کیا ممکن نہیں کہ شعر معروف ہو اور خود شاعر گم ۔ فن عیاں ہو اور فنکار پنہاں ۔ زندگی پوشیدہ ہو اور قبر نمایاں ۔

نقش و نقاش کے رشتے کا سمجھنا معلوم
کتنے شاعر تھے کہ ہیں شعر میں پنہاں اب تک

شاعری فقط ان کا شعور چھوڑ گئی مگر خود شاعر کیا تھے اس پر کلام نے بارہا پردہ ڈال دیا ۔ ہم نے ''بارہا'' کہا ہے ''ہمیشہ'' نہیں کہا ۔ اس ضمن میں بیدل خود بھی اظہار رائے کرتے ہیں :

''اینکہ عالم میخوانیم صفحۂ دلی مطالعہ کردہ ایم و انچہ آشنا میدانیم سطر نگاہی بہ تحریر آوردہ ، دل ، اجتماع کیفیت علوم است و علوم ، ادراکات معانیٔ نامفہوم ۔ وسوسہ از خود ترا شیدن ہم صنعتی است و اوہام بر خودہ بستن نیز قدرتی ، و وادیٔ ظہور تلاش کسب با غیریّت است نہ اظہار غیبت ، ہر قدر توانی در لباس کوش و تا ممکن است خود را بپوش''۔[۱]

ظاہر ہے بیدل نے فنکارانہ انداز میں بات کی ہے اور پوشیدہ ''حقیقت'' کو ''بپوش'' کا حکم دیا ہے ۔ انھوں نے اسی مضمون کو لطیف تر انداز میں یوں بھی بیان کیا ہے ۔

کشادِ بند نقاب امکاں بہ سعی بینش بگیر آساں
کہ رنگ ہر گل دریں گلستاں تعیر دور باش دارد

اور اس باغ کا سب سے بڑا ''گل معمّا'' تو حضرت انسان ہے ــــ یہاں

۱۔ کلیات بیدل ، چہارم ، کابل ، لکتہ ۶۵ ۔ ص ۱۲۲ ۔

بیدل کے ایک مخمس کا ایک بند بھی شاید مددگار ثابت ہوگا ۔

لفظ حیرت نقشم از مضمونِ غمّازم مپرس
ہمچو تارِ ساز از تحقیق آوازم مپرس
پرتو رمزی سرایم بشنو و بازم مپرس
بال معذورم ز شوخیہای پروازم مپرس
بیدلے در پردہ دارم ترجمانِ بیدلم

ہم نے بیدل کی تحریروں کو تقریباً سرتاسر دیکھا ہے ، ہزار ''اوہام و وسوسہ تراشی'' کے باوصف یہ تاثر ضرور حاصل ہوتا ہے کہ بیدل بے نیاز مزاج کے مالک تھے ۔ زندگی کے بارے میں رویہ فقیرانہ و درویشانہ تھا ۔ کسی کے حضور میں محض اس کے منصب و جاہ کا خراج ادا کرنے کی خاطر حاضر نہ ہوتے تھے ۔ کسی کی علمی تمکنت کو بھی پرکاہ اہمیت نہ دیتے تھے ۔ رگِ گردن کے ابھار سے چڑ سی تھی دنیا میں چڑھتے سورج کو دوست رکھنے والے دانا تو علی العموم موجود ہیں مگر غروب ہو چکنے والوں سے محبت کرنے والے دیوانے کہاں ۔ بیدل ان دیوانوں میں سے تھے ۔ اکثر لوگ ''استقبالیے'' بڑے اچھے ہوتے ہیں مگر چند لوگ استقبالیے ہوں نہ ہوں ''الوداعیے'' خوب ہوتے ہیں ـــ بیدل بھی ایک طرح سے ''الوداعیے'' تھے ـــ یوں تو شاید ہی کوئی فارسی زبان کا شاعر ایسا گزرا ہو جس نے ''فقیرانہ و درویشانہ'' بے نیازی کی پٹ اپنے کلام کو نہ دی ہو ۔ خواہ عمومی زندگی میں عمل اس کے عین مخالف ہی کیوں نہ رہا ہو ۔ تاہم بیدل کے کلام کا آئینہ جو نقوش پیش کرتا ہے ، ان نقوش میں معاصر اہل تذکرہ شاگرد ، عقیدت مند اور اہل نظر ملاقاتی یقین افزا رنگ بھر دیتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ ہم محض کلام بیدل کو شاید عادل نہ مانیں گے ۔ علی العموم ہر شخص کی زندگی دولخت ہے ۔ ایک طرف دو پایہ ، دوسری جانب آدمی ، ایک سمت جبلت ، دوسرے رخ دانش ، اپنی دانش کے تناسب سے ہر آدمی ممکن ہے بہتر سوچے ۔ بہتر نیت کا مالک ہو اور بہتری کی تلقین بھی کرے ، تاہم جبلت ایک سرکش گھوڑا ہے جو لگام چاہتا ہے اس میں شک نہیں کہ جبلت آدمی کی جوہری اور اساسی قوت محرکہ ہے مگر وہ حد میں رہے تو ۔ عام انسان بیچارہ ایک دو پایہ ہے ، وہ کسی

بھی جبلت کے گھوڑے کو آسانی سے لگام نہیں دے سکتا - چنانچہ اس کے علم اور اس کے عمل میں چپقلش جاری رہتی ہے - اس کی کاردانی اور کارگزاری ایک ہی خط مستقیم پر نہیں ہوتیں ، توحید ذات کیونکر بروئے کار آئے ، یہ بڑی کٹھن راہ ہے -

عام مشاہدہ ہے کہ جملہ نیک ارادوں اور پاک آرزؤں کے باوصف یہ بے بس آدمی مقاماتِ ہوس کے جوار سحرکار میں اس خس کی طرح دکھائی دیتا ہے جسے دوش ہوا اٹھائے پھر رہا ہو - یہ اندرونی پیکار ہے اور انسان کے اس شعور کی سزا ہے جو امتیاز خیر و شر کا عیار ہے - چنانچہ آدمی کے وجود میں وحشی ترین جانور اور مانوس ترین انسان ہر دم موجود رہتا ہے - فرشتہ بھی حاضر ، ابلیس بھی پیش خیز - حرم بھی جلوہ گر اور بت خانہ بھی چشمک زن - رزم بھی اور بزم بھی - تعمیر بھی اور تخریب بھی ، ناز بھی اور نیاز بھی - غرور بھی اور ندامت بھی - مولانا رومی نے کیا خوب کہا ہے -

کاشکے ہستی زبانی داشتی تا ز ہستاں پردہ ہا برداشتی

اس ضمن میں شاعر عوام الناس سے نسبتاً زیادہ بدقسمت واقع ہوا ہے اس لیے کہ شاعر کی شاعرانہ ہستی کا بیشتر سروسامان اس کی معلومات اس کے جذبات اور اس کا فکر و تخیل ہوتا ہے - یہ سروسان ایک فنکار شاعر کے یہاں قافیے اور وزن کے سانچے میں ڈھل کر سرتاسر تاثیر بن جاتا ہے - اس تاثیر کا ایک مظہر اس کا ذوقِ تلقین خیر اور شوق نصیحت بھی ہے مگر دوسری طرف شاعر کی عملی زندگی ہوتی ہے جو عام طور پر اس کی ''فنی'' زندگی سے کم ہی مناسبت رکھتی ہے اور شاعر زبانِ حال سے کہتا ہے -

عیب تھے محدود اپنی ذات تک ہو کے ہم معروف رسوا ہو گئے

گویا شاعر کا اعلیٰ فنکار ہونا اسے لے ڈوبتا ہے ، چنانچہ ایک اچھے شاعر کی عزت جس قدر دور نشینوں میں ہوتی ہے اتنی قریب کے لوگوں میں نہیں ہوتی - جتنی قدر و منزلت مابعد کی نسلیں کرتی ہیں معاصر ہود نہیں کرتی - ظاہر ہے کہ جب معاصرین کے چشم دید سانحات اور شنید کے تخلیق کردہ تعصبات رحلت کر جاتے ہیں تو باقی شاعری رہ جاتی ہے ، اگر اس میں جان ہے تو وہ شاعر کے لیے امان بن جاتی ہے ـــ ''اے

بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد'' ـــ اس مصرعے کا ایک معنے شاید یہ بھی ہو -

بیدل خوش قسمت تھے کہ جن لوگوں نے انہیں دیکھا وہ نہ دیکھنے والوں سے زیادہ عقیدت مند تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بیدل کی زندگی میں کوئی ادائے خاص تھی - ان کی آنکھوں میں کوئی موہنی تھی جو موہ لیتی تھی ، اور وہ موہے جانے والے عام تام لوگ نہ تھے - وہ صاحب علم تھے صاحب نظر تھے - صاحب جاہ تھے - صاحب منصب تھے پنج ہزاری امرا بھی تھے اور ہفت ہزاری حکام بھی - امیر الامراء بھی تھے اور صوبوں کے گورنر بھی ، محمد افضل سرخوش جیسے لوگ بھی تھے جو دشمنوں کے بڑھائے اور پڑھائے ہوئے تھے - اور خان آرزو جیسے علماء و فضلاء با تمکین بھی ـــ بات فقط اتنی تھی کہ بقول خود بیدل :

صاحب تسلیم را ہرکس تواضع میکند
گر کنی یک سجدہ ، پیدامی شود صحرا بہا
آخر ز فقر برسر دلیا زدیم پا
خلقی بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شخصیت ان کی شاعری کی ہم وزن تھی - ممکن ہے کچھ زیادہ ہی وزن دار ہو -

محمد افضل سرخوش جو ناصر علی سرہندی کے جنبہ داروں میں سے تھے یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''بیدل در فقر و توکل بادشاہ وقت خود است''[1] سراج الدین علی خاں آرزو جو اساطین علم و ادب میں سے تھے ، جن کی علمی معرکہ آرائیاں (خاص طور پر علی حزیں کے ساتھ) معاصر تذکروں کی رونق میں اور جنھیں میر تقی میر نے بڑا معزور اور برخود غلط انسان قرار دیا ہے ، بیدل کے ضمن میں رقم طراز ہیں -

''از صحبت بزرگان و سیر کتب صوفیہ آں قدر مایہ در ربود کہ در سیر زمین شعر تمام تخم تصوف می کاشت - امراء و عمدہا را حق سجانہ ، بر درِ اُو فرستاد ، فقیر آرزو دوبار بخدمت این بزرگوار رسیدہ و

۱- کلمات الشعراء - ص ۱۳ ذیلی حاشیہ -

مستفید گردیدہ''[۱] ۔

پھر بیدل اگر یہ کہیں تو ان کے منہ سے سج جاتا ہے :

بیدل مست شکوہِ حال خویشم
شاہنشہ ملک لازوال خویشم
از شوکت و جاہ خسروانم مفریب
قربان خیالِ ذوالجلال خویشم

بیدل جیسے قادر الکلام اور جدت نگار و شاعر سحر کار کے لیے اس دور میں مداحی کا پیشہ اختیار کرکے زر و جواہر کے ڈھیر کما لینا کیا مشکل تھا ۔ مگر سریر آرائے توکل نے ''خودی نہ بیچی اور غریبی میں نام پیدا کیا''۔۔۔ وہ گھر بار والے تھے ۔ راہب نہ تھے ۔ جملہ ضروریات زندگی کا احساس رکھتے تھے مگر ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ

حرص قانع نیست بیدل ورنہ از ساز معاش
آنچہ مادر کار داریم اکثری درکار نیست

یہی نہیں وہ اس امر سے بھی آگاہ تھے کہ اس دور میں مطلق العنانی اور عہد جاگیرداری و سلطانی میں جسے کوئی سرپرست نہیں ملتا تھا اس کی کوئی خبر نہ پوچھتا تھا وہ خود ہی تو کہتے ہیں :

جائیکہ زہ کنند گدا نہائی امتیاز
منظور این وآن نشدن ہم نشانہ ایست

مگر اس کے باوصف اپنی روش نہ بدلی ۔ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب بیان کرتے ہیں کہ :

''شروع شروع میں ہم دہلی اور اکبر آباد میں بیدل کو مجاہدۂ نفس کی خاطر صوم و صلوۃ کے عادی پاتے ہیں ۔ دہلی میں صرف بھنے ہوئے چنے افطاری کے وقت استعمال کرتے تھے اور اکبر آباد میں پسا ہوا کثیرہ استعمال کرتے تھے اور جب وہ ختم ہوتا فاقوں کی نوبت آتی مگر گداگری مسلکِ فقر کے خلاف تھی''[۲] ۔

۱۔ روح بیدل ۔ ص ۷۷ بحوالہ مجمع النفائیس ق ص ۵۴ ۔ (الف) ۔
۲۔ روح بیدل ص ۵۵ ۔

بات یہ ہے کہ بیدل کو آنکھ کھولتے ہی درویشوں سے پالا پڑ گیا تھا ۔ ان کے والد مرزا عبدالخالق درویش طبع شخص تھے ۔ بیدل ساڑھے چار برس کے ہوئے تو مرزا عبدالخالق رحلت کر گئے اور بیدل کی پرداخت اور تربیت ان کے سوتیلے چچا مرزا قلندر بیگ نے اپنے ذمے لی ۔ بقول خود بیدل :

''بعد از رحلت والد مرحوم تا ادراکِ نشهٔ بلوغ بعهدۂ التفات خود داشت و باشفاق ربوبیت در تعلیمِ مراتب آداب و تدریس معانیٔ اخلاق کمالِ توجه می گماشت''[۱] ۔

مرزا قلندر مزاجاً قلندر تھے ۔ انھوں نے بیدل کو بھی قلندری کے راستے پر ڈال دیا ۔ اُن کے ماموں مرزا ظریف بھی صوفی صفت بزرگ تھے بیدل ان کے یہاں بھی ایک مدت مقیم رہے ۔ مرزا قلندر ہٹ دھرم اور تمکین گزیدہ لوگوں سے دور بھاگتے تھے ۔ ایک روز یہ ہوا کہ مرزا قلندر بیدل کے مدرسے میں گئے ۔ وہاں عین اُس وقت اساتذہ میں کوئی مسئلہ زیر بحث تھا جو ترقی فرما کر سر سید مرحوم کے مضمون ''بحث و تکرار'' کا منظر اختیار کر گیا ۔ اور ہاتھ ایک دوسرے کے گریبانوں اور گردنوں کی خدمت کرنے لگے ۔ مرزا قلندر کی بڑی دل شکنی ہوئی ۔ انھوں نے بیدل کو مدرسے سے اٹھوا لیا ۔ اور خود گھر میں ان کی تربیت کرنے لگے ۔ اس واقعے کا بیدل نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے ۔ اقتباس قدرے طویل ہے مگر ضروری ہے ۔ بصد معذرت درج ذیل ہے :

''ہماں روز فقیر را منع درس فرمود کہ اگر آثار علم این است خلل در بنائے جهل میفگن تا عاقبت حال پشیماں نشوی ۔ و اگر فائدۂ تحصیل ہمیں است خرمن بیجا صلی برہم مزن تا آخر کار ندامت نہ روی ۔ ہر گاہ بہ مسئلہ احتیاج افتد قاضی در محکمہ نمردہ و ہر وقت نصیحت منظور باشد واعظ را از منبر کرگ نبردہ ۔

غرۂ دانش نگردی از فسون لفظ چند
ای ز معنی بی خبر علم حقائق دیگر است

۱- عنصرِ اولِ ص ٦١ ۔ کلیات بیدل کابل ۔ جلد چہارم ۔

نیست جز کوری سوادی را کہ روشن کردہ ای
مردیک دیگر ، سویدای شقائق دیگر است
زیں سخن ہائی کہ یاراں دام عرفاں چیدہ اند
جز خموشی آنکہ فطرت راست لائق دیگر است

بہمواری در فہم معانی کوش و از پست و بلند رفع و جر چشم پوش جہدی کن کہ غبار بحث و انکار بہ کلی از طبیعت بر خیزد - و حضور کیفیت اقرار در باطنت رنگ جمعیت ریزد ، اگر گوش کر نہ باشد افسانہ بسیار است وگر چشم رمدی ندارد تماشا بسیار - ہمت اعتماد بر فضل حقیقی گمار تا بی تکلف نقوش و خطوط پردہ ای از حقایق بر رویت کشائید ، ونسخ اعتبار قیل و قال برطاق گزاری تا از درسگاہ بیحرف و صوت رمزی اشارت نمایند -

علم دبستان تحقیق مقید سبق و کتاب مدان و معمای نسخۂ یقین از دفاتر دلیل و حجت نخواں ، رباعی

ہوشی کہ سپیدی و سیاہی فہمید
مپسند کہ سرّ حق کماہی فہمید
گفتم سخنی لیک پس از کسب کمال
خواہی فہمید چوں نخواہی فہمید"[1]

لب لباب یہ کہ اگر آثار علم یہی ہیں جن کا مظاہرہ اساتذۂ کرام نے فرمایا ہے تو پھر اپنی بہائے جہل میں خلل نہ ڈال اور اگر تحصیل یہی کچھ ہے تو بے حاصلی کی ڈھیری کو نہ بکھیر - فہم معانی میں کوشاں رہ ، صرف و نحو کے چکر میں نہ پڑ - تکرار اور "میں نہ مانوں" کے غبار سے دل کو پاک کر ، بات ماننا سیکھ - سکھ میں رہے گا - مدرسۂ تحقیق کا علم و دانش ، نہ سبق میں بند ہے اور نہ کتاب کا قیدی ہے - یقین ، دلیل و حجت سے حاصل نہیں ہوتا -

اہل مدرسہ کا یہ خروش عالمانہ بیدل کے دل پر دائمی مہر ثبت کر گیا ، عبرت کی مہر ، بصیرت کی مہر ، اور ایک طرح سے نفرت کی مہر ، چلتے چلتے جب اُن کے کلام میں ذیل کی قبیل کے اشعار آ جاتے

۱- چہار عنصر ص ۶۴ ، ۶۳ - جلد چہارم ، کابل -

ہیں تو بیدل کے مدرسے سے اٹھا لیے جانے کی حکایت تازہ ہو جاتی ہے ۔

وضع عقلای عصر دیدم
دیوانۂ ما مودب آمد
ماتم کدۂ علم شمر مدرسہ کانجا
انصاف بخوں غوطہ زن و نوحہ کناں بحث
از مدرسہ دم تاز دہ بگریز و گرنہ
بر خاست رگ گردن و آمد بمیاں بحث
تو جمع کردہ بظاہر ہزار جلد کتاب
غرور ساختہ اجزای باطنت ابتر
ز خدمت عقلاء چوں ادب مشو غافل
چوں عقل باش گریزاں ز مردم خود سنج

بیدل بہرحال اس نتیجے پر پہنچے کہ خالی علم سے محض معلومات میں اضافہ ہوتا ہے ۔ وہ چیز جسے آدمیت کہتے ہیں وہ محض علم کے باعث تربیت پذیر نہیں ہو سکتی ۔ اس کے لیے پہلے سے وجود کے اندر مادۂ قبولیت موجود ہونا چاہیے ـــ روشنی اسی کے لیے کارآمد ہے جس کی بصارت درست ہے اور پھر اُس نے آنکھ بھی کھول رکھی ہے ۔ بصارت کی درستی بنیادی شرط ہے ۔ اسی لیے بیدل کہتے ہیں کہ اگر محض سرمہ ہی بصارت عطا کر سکتا تو پھر سرمہ داں سے بڑھ کر روشن بصر کوئی نہ ہوتا ۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ آپ فیض معنی وہیں عطا کر سکتے ہیں جہاں اس کو قبول کر لینے والا دماغ ہوگا ، آپ پیالے میں شراب ڈال سکتے ہیں نشہ نہیں ڈال سکتے ۔

عرفاں بہ کسب علم میسر نمی شود
از سرمہ روشنی نبرد چشم سرمہ داں
فیض معنی در خور تعلیم ہر بی مغز نیست
نشہ را چوں بادہ نتواں در دل پیمانہ ریخت

ان مرزا قلندر کی تربیت اور رہنمائی کے باعث بیدل کا مزاج فقیر پسند بھی ہو گیا اور فقر پسند بھی ، چنانچہ بیدل نے نزدیک ہی کے نہیں دور کے فقراء و دراویش کی زیارت اور مجالست کا شرف حاصل کیا ۔ ان میں سے بعض یہ تھے ۔ حضرت شاہ ملوک ، شاہ یکہ ، شاہ فاضل ، شاہ قاسم

ہو اللّٰہی (جن سے اپنے ماموں مرزا ظریف کے ہمراہ اوڑیسہ میں ملنے گئے تھے) شاہ ابو الفیض ، شاہ کابلی وغیرہ ، ان میں سے ہر ایک عالم بھی تھا صاحب دل بھی اور مفکر بھی ۔ اکابر صوفیہ اپنے دور کے چوٹی کے عالم تھے ۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ ''جملہٗ مشائخ ایشان از اہل علم بودہ اند ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔'' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ افراد اپنی دنیائے وجود کے فرمانروا بھی تھے اس طرح بیدل نے گویا بہت سے صوفیہ سے فیض حاصل کیا ۔ حتیٰ کہ ایک ہندو درویش اور مفکر سے بھی سفر حسن ابدال کے دوران میں تبادلہ خیال اور مباحثے کے ذریعے بہت کچھ سیکھا ۔ یہ سب کچھ بیدل کی منازلِ سلوک تھیں ۔ تفصیل کی گنجائش نہیں ۔ فقط اس امر کی جانب اشارہ کر دینا لازم تھا کہ بیدل کے یہاں نظر آنے والی درویشانہ لے اور نوائے بے نیازی محض پابندیٔ رسم یا تقلید بارد نہیں ، یہ ترنگ ان کی رگِ جاں تھی ۔ اوہام کا مال نہ تھی ، حال تھی ۔

جاہ اگر بالد ، ہمیں شاہی است اوج عبرتش
از کمالِ فقر باش آ گہ ہو اللّٰہی گزیں!!
در تماشا گاہ معنی کور نتواں زیستن
محرم آں جلوہ شو یا مرگ ناگاہی گزیں

یوں تو بیدل کے تقریباً سارے کلام میں یہ بے نیازانہ سرمستی و سرشاری موجود ہے مگر اتفاقاً اس وقت ہمارے سامنے ان کا ''ترجیع بند'' آ گیا ہے تغزل کا عالم پوری نظم میں شراب کی طرح جاری ہے ٹیپ کا شعر ہے ۔

کہ جہاں نسیت غیر جلوۂ دوست　　　ایں من و ما ہماں اضافت اوست

نظم تو بہت طویل ہے ۔ فقط نمونے کے طور پر کچھ شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔

فقر بگزیں کہ عزّشاں بینی　　　خاک شو تا بہارِ جاں بینی
غرہ منشیں بوعدۂ فردا　　　زیں چہ فہمیدہ ای کہ آں بینی
گر نگاہِ تو بایقیں جوشد　　　ہر چہ خواہد دلت ، ہماں بینی
سرمہٗ بینش ارکنی حاصل　　　نقش آنسوی آسماں بینی
وارسی برنزاکت اسرار　　　یعنی از ریشہ گلستاں بینی
صنعتِ التفاتِ رعنائی!　　　در ملاقاتِ دوستاں بینی

پرتو حسن دوست جلوہ کند گرہمہ روئ دشمناں بینی
سخت در خواب غفلتی بیدل دیدہ بکشای تا عیاں بینی
کہ جہاں نیست جز تجلی دوست
ایں من و ما بہاں اضافت اوست

ای ہمہ جسم اند کی جاں باش سخت افسردہ ای پر افشاں باش
دعوئ عشق کردہ ای خوں شو گنج بی رنج نیست ، ویراں باش
بی فنا سیر عشق نتواں کرد در خود آتش زن و چراغاں باش
شہرتت باد آفتی دارد گر چراغی بزیر داماں باش
عجز ظاہر شکوہِ باطن تست در دلِ مورِ خود سلیماں باش
ہمہ تحصیل حاصل است اینجا طالبِ آنچہ یافت نتواں باش
تا بہارت غم خزاں نکشد اینقدر یاد گیر و نازاں باش
کہ جہاں نیست جز تجلئ دوست
ایں من و ما بہاں اضافتِ اوست

تاہم بیدل کی مدرسہ گریزی اور فقر گزینی کا مطلب ترک دنیا اور خانقاہ نشینی نہ تھا ۔ وہ راہب نہ تھے ۔ جیسا کہ اوپر اشارہ ہو چکا ہے وہ گھر والے تھے ، یاروں دوستوں اور ملاقاتیوں والے تھے ۔ بھرپور زندگی گزار رہے تھے ، تبلیغ انسانیت کر رہے تھے ۔ آدمی کو ہر لحظہ آدمی بننے اور بنے رہنے کی تلقین فرما رہے تھے ۔ صلاح الدین سلجوق کہتے ہیں :

شاعری آں نیست کہ بہ کسی عاشق شدہ یا بہ عشق کسی تظاہر کردہ ، آفتاب نشینی و بیکاری و ہزیان گفتن را پیشہ سازد و شب و روز بفکر مار زلف و عقرب کا کل باشد ۔ شاعر مرد ملہمے است کہ مانند پروانہ در گلزار مجتمع در پرواز است و بین گلہا و ریاحین کار وصل و پیوند را میکند ۔''[۱]

یعنی شاعری وہ نہیں کہ عاشق ہو کر یا عاشقی کا روپ دھار کر دھوپ میں پڑ رہے اور حسن یار کے تصور میں ہڑ بڑاتا رہے ۔ شاعر تو گل زار کے پروانے کی طرح محو پرواز رہتا ہے اور گل و ریاحین میں باہم سلسلہ و

۱۔ نقد بیدل ص ۹۷ ۔

ربط قائم کرتا ہے' ـــ وہ اہل نیاز کے نیاز مند تھے ، اہل غرور کو پرکاہ کے برابر نہ جانتے تھے ۔ استغناء طبیعت کا جزو راسخ تھا اور یہ بڑی عظیم دولت تھی ۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان کے روابط بڑوں سے بھی تھے اور چھوٹوں سے بھی ، انہیں شہزادوں سے بھی واسطہ رہا ۔ مگر انہوں نے اپنے من کی موج سے جسے لائق تعریف جانا اس کی تعریف کر دی اور بے آز و حرص ، کسی نے انہیں اپنا باضابطہ مداح و قصیدہ خواں بنانا چاہا تو دامن جھٹک کے الگ جا کھڑے ہوئے ۔

اُس دور کے اکثر شہری اور دیہاتی مسلمانوں اور بالخصوص مغل نوجوانوں کی طرح انہوں نے بھی فوجی ملازمت اختیار کر لی تھی ۔ شہزادہ معظم کے لشکر میں بھی رہے ، وہاں پانصدی منصب پایا ۔ مگر زیادہ دیر نہ رہے ۔ شہزادے کی تعریف میں بھی انہوں نے شعر کہے تھے جو کلیات میں موجود ہیں مگر یہ صلے کی خاطر نہ تھے ـــ صلہ چاہتے تو پھر بیدل نہ ہوتے ـــ پھر تو ظہیر ، انوری ، سودا ، ذوق اور غالب ہوتے ۔

اُن سے اسی شہزادے نے بادشاہ وقت بہادر شاہ اول کی حیثیت سے جب فرمائش کی تو بیدل نے درشتی سے ٹھکرا دیا ۔ وہ یوں کہ بہادر شاہ اول چاہتے تھے کہ مرزا بیدل ان کی خاطر شاہنامہ تصنیف فرمائیں جس کا مطلب تھا خاندان تیموری کی منظوم تاریخ ، بیدل نے ایک سے زیادہ بار انکار کیا ، جب بادشاہ کی طرف سے اصرار ہوا تو جواب دے بھیجا کہ میں بادشاہ سے جنگ نہیں کر سکتا فقیر ناتواں ہو ، ہاں ممالک محروسہ چھوڑ کر ترکستان چلا جاؤں گا ۔ اس واقعے کو ان کے عقیدت مند شاگرد بندرا بن داس خوشگو نے اپنے تذکرۂ خوشگو میں اس طرح بیان کیا ہے ۔

''شاہ عالم بہادر شاہ بہ منعم خان خاناں اکثر فرمود مرزا بیدل تکلیف نظم شاہنامہ نمودہ شود ، خان خاناں کہ آشنای قدیم بود پنج شش بار در کتابت نوشت ، مرزا قبول ننمود ، عاقبت جوابی بد رشتی نگاشت کہ اگر خواہ مخواہ مزاج پادشاہ بریں پلہ ہست من فقیرم جنگ نمی توانم کرد ترک ممالک محروسہ نمودہ ولایت می روم''[1]۔

۱۔ تذکرۂ خوشگو ص ۳۶۷ ۔ بحوالہ معارف ماہ مئی ۱۹۳۲ء ۔

اور اس پیغام کو اس رباعی کی زبان سے ادا کیا ہے ۔

از شاہ خود آنچہ ایں گدا می خواہد جمعیت منصب رضا می خواہد
تا ہمت فقر ننگ خواہش نہ کشد سرخیلیٔ لشکر رضا می خواہد

بہادر شاہ مطلق العنان بادشاہ تھا پھر وہ شاہجہان صاحبقران کا پوتا تھا ، وہ بیدل کا سر بھی اڑا سکتا تھا اور ہر شعر پر موتیوں سے اس کا منہ بھر سکتا تھا ۔ لیکن بیدل کو کسی کی شاہی اور سرداری کی پروا جتنی کہ ہونی چاہیے تھی اس سے زیادہ نہ ہو سکتی تھی ۔ اُن کا دل آمادہ نہ ہو تو وہ کسی کے خاندان کی بھٹی کیوں کریں ، حالانکہ وہ خود مغل تھے ، اور اس طرح جس خاندان کی تعریف کرتا تھی وہ کسی نہ کسی طرح ان کی اپنی برادری ہی کی شاخ تھی ـــ پھر ایسا مرد بے نیاز اگر یہ نعرہ لگائے تو اسے حق حاصل ہے ۔

از ہیچکس لیم صلہ اندیش بیش و کم
مداح فطرتم نہ ظہیرم نہ انوری

اور پھر ایسے ہی کسی شخص کو زیب دیتا ہے کہ اُس دور مطلق العنانی میں دارالحکومت کے اندر رہ کر یہ بھی کہے کہ ۔

اعتبارات بزرگان جہاں ہیچ است و ہوچ
چوں حباب اینجا سر بی مغز صاحب افسر است
اگر با فواج ، عزم شاہان سواد روم و فرنگ گیرد
شکوہ درویش ہر دو عالم بیک دل جمع تنگ گیرد
آرائش کوس و دہل از خواجہ عجب لیست
خرسی بخروش آمدۂ خر شدہ باشد

ہم اس مقالے میں محض یہ بیان کر رہے ہیں کہ بیدل مزاجاً بے نیاز اور فقیر منش شخص تھے ۔ اُن کے علم کی وسعت ، مفکرانہ حیثیت ، کرامت اور تصوف کو زیر بحث نہیں لایا گیا ۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے نظریۂ وحدتِ شہود اور اس مسلک کے مافیہ اور ماعلیہ سے تعرض نہیں کیا گیا ۔ اس لیے ہم بیدل کو فی الحال ایک صوفی کی حیثیت سے نہیں دیکھ رہے ہیں ـــ ہاں تو دولت ، تفاخر اور نمود کے وسائل سے محرومی کا احساس کمزور طبایع کو ہوتا ہے بلکہ یہ احساس ان کے لیے جگر خوار

اندوہ بن جاتا ہے ۔ اس کے مقابل گوناگوں وسائل عزت و جاہ اور مصادر مال و منال کے دسترس میں ہونے کے باوصف بے نیاز و مستغنی رہنا عالی نظر اور خود دار افراد کے لیے ایک سرور پر شکوہ ہے ۔ ایک کا عالم تلخیٔ حرماں اور دوسرے کا نشہ لذت تسخیر ، تاہم حرص و آز کے بندھنوں سے آزاد ہونا ۔ راحت کوشی اور لذت اندوزی کے ذوق بے پناہ کی یورش کو مات دے دینا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ۔

در خرقۂ گدائی و در کسوت شہی سوزن صفت ز تار تعلق جریدہ رو

گویا ایک فقر جبری ہے اور وہ افلاس ہے ، ناداری ہے ، وہ کفر کا ہمسر حد ہے ، اور ایک فقر اختیاری ہے ، وہ سرتاسر سرشاری ہے ۔ حضرت علی ابن ابی طالب کا قول ہے ۔

ان للہ تعالیٰ مثوبات فقر و عقوبات فقر ۔ فمن علامۃ الفقر اذا کان عقوبۃ ان یسوء خلقہ و یعصی ربہ و یکثر الشکایہ و ویتسخط للقضاء (عوارف المعارف ، از عبدالقاہر بن عبداللہ السہروردی ، بیروت ص ۱۶۱)[1]

معنی اس عبارت کا یہ ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کو فقر کی صورت میں نوازتا بھی ہے اور سزا بھی دیتا ہے ۔ فقر اگر نوازش ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ جسے وہ عطا ہو خوش خلق ہو جائے ۔ خدا کی اطاعت کرے ۔ اپنے احوال کا شکوہ نہ کرے بلکہ شکر کرے کہ اللہ نے اسے فقر کی دولت بخشی اس کے برعکس فقر اگر سزا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ جسے حاصل ہو وہ بدخلق ہو جائے ۔ خدا کا نافرمان ہو ، ہر دم شکوہ و شکایت کرتا رہے اور قضا و قدر پر برستا رہے'' ـــ گویا ایک فقر ''کا دالفقران یکون کفرا'' ، کا شعبہ ہے اور ایک فقر "الفقر فخری'' کا مظہر ۔ اور یہ دوسری صورت ایک نقطۂ نظر ، ایک رویے اور ایک طرز عمل کا نام ہے ۔ یعنی مال و دولت ، جسمانی لذت و راحت ، مادی البساط و نشاط کے ہر غمزۂ دلستاں سے آزاد رہنا اور کسی بھی فانی متاع کا اپنے آپ کو بندۂ و چاکر نہ بنانا ۔ کچھ نہ ہونے کی صورت میں بھی سرشار رہنا اور تلخیٔ حرماں کا شکار نہ ہونا وغیرہ ، مگر ان دونوں صورتوں کا تعلق

۱۔ یہ عوارف المعارف ، حضرت شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف نہیں ۔

قلب سے ہے ۔ یہ زبانی دعوے اور عقلی فیصلے کی بات نہیں ، یہ تسخیر ذات کا کمال وا تمام ہے ۔ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوریؒ کہتے ہیں ۔

''خدا تعالیٰ نے اپنے بندے ایوبؑ کو ان کی انتہائی درماندگی کے عالم میں ''نعم العبد'' کہا اور دوسری طرف اپنے بندے سلیمانؑ کو عین ان کے اوج مملکت داری و شہریاری کے عالم میں ''نعم العبد'' کہا'' اس کے ساتھ ہی حضرت داتا فرماتے ہیں ۔

''اس اعتبار سے گویا حضرت سلیمانؑ کی دولت اور حضرت سلمانؓ کا فقر برابر ہوئے ''[۱]

بیدل کا استغنا اسی اختیاری فقر کا عطیہ تھا جو قلب کی کیفیت اور روح کی سرشاری ہے ۔ اس انداز کے افراد اپنے جہانِ دل کا احوال شاہوں اور وزیروں کی چینِ جبیں سے نہیں پوچھتے ۔ الٹا وہ شاہوں اور وزیروں کی کائنات کا عکسِ مآل اپنے آئینۂ خاطر میں جلوہ گر پاتے ہیں اور ہنستے ہیں ، ان کا دل بھی اپنا ہے اور نظر بھی اپنی ہے ـــــ بیدل خود بیان کرتے ہیں ۔

''توجہ خاطر نابغت فقر از علامت لطافتِ طبع است یعنی دماغ خلقت دریں نشہ بحسب نزاکتِ تاب کدورت اسباب نمی آرد ، و تعلق ضمائر بہ محبت جاہ از دلائل آثار کثافت''[۲] ۔

بیدل نے آنکھ کھولی تو صاحبقران ثانی حضرت شاہ جہان سریر آرائے سلطنت تھے ۔ جب وہ تقریباً پندرہ برس کے ہوئے تو انھوں نے فرزندان شاہ جہان کے محاربات برائے ولیعہدی دیکھے ۔ ان دل شکن واقعات کا ذکر بیدل کے رقعات میں موجود ہے ـــــ پھر بیدل نے یہ بھی دیکھا کہ صاحبقران ثانی آگرے قلعے میں نظر بند اور محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور زمام اقتدار اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھ میں چلی گئی ہے ۔ شاہ جہاں کی وفات کے وقت بیدل کی عمر تقریباً بائیس برس تھی ـــــ درویش مزاج بیدل

۱۔ کشف المحجوب ، ربانی ایڈیشن لاہور ص ۲۵ ۔
۲۔ کلیاتِ بیدل کابل جلد چہارم ، نکتہ ۶۹ ۔

نے بڑے خلوص کے ساتھ دور شاہ جہانی کی مسرتوں اور امن سامانیوں کو یاد کیا ، گویا انھوں نے شاہ جہاں کا قصیدہ ان کی موت کے بعد کہا ، درآنحالیکہ دور معاصر کے بادشاہ کی نا خوشی بھی متوقع تھی - مگر وہ بیدل ہی کیا ہوئے جو بات برملا نہ کہہ دیں ، اس قصیدے کے (جو در حقیقت مرثیہ ہے) چند شعر آپ بھی سنئیے -

یاد آں موسم کہ بی وہم بہار و فصل دی
داشت مینائی فلک جامِ طرب لبریز مئی
انجمن نازاں ، چمن خنداں ، طراوت گلفشاں
شاخ گل رقاص ، بلبل بستہ در منقارنی
دور سعدی بود و عہد امن و ایامی شریف
خلق در حمدِ خدا از عدل شاہ نیک پی
شاہ شاہان جہاں ، شاہ جہاں کز شوکتش
تاج بر خاک ، او فگندی کسریٰ وکاؤس وکی
از زمیں تا آسماں شہباز حکمش کردہ صید
رخشِ فرمانش ز مشرق تا بہ مغرب کردہ طی
کامراں شاہی چوں او نگزشتہ در اقلیم دہر
کمترین چاکرانش بادشاہ مصرو ری
عاقبت رفت آں شہ قدسی نشاں بر قصر عرش
سوی اصل خویش میباشد رجوع کل شی

اس سے زیادہ پریشان کن کیفیت فرخ سیر کے قتل کیے جانے پر رونما ہوئی - فرخ سیر کا وجود اُس گئے گزرے دور میں غنیمت تھا ، جہاندار شاہ نے سلطنت کو تباہی کے کنارے پر پہونچا دیا تھا - اگرچہ شروع میں اس سے بھی بیدل کو دیگر اہل دہلی اور اہل ملک کی طرح نیک توقعات تھیں بہرحال فرخ سیر نے تو پنجاب میں سکھوں کا زور توڑا - راجپوتوں کو شکست دی اور مہاراجہ اجیت سنگھ نے اپنی بیٹی کا ڈولہ دہلی میں پہنچا کر صلح کی ، یہ آخری ہندو راج پتری تھی جو مغلوں کے حرم میں آئی - بیدل نے فرخ سیر کے حق میں اس طرح کے اشعار کہہ رکھے تھے -

شہِ فرخ سیر خورشید تحقیق جہانِ معدلت معراج آداب

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ فرخ سیر نے سلطنت سادات بارہہ کی بدولت

پائی تھی ۔ جہاندار کو شکست دینے کے معاملے میں سادات نے جس طرح جان لڑائی تھی تاریخ شاہد ہے اور تاریخ اس پر بھی شاہد ہے کہ پھر فرخ سیر نے سادات کو کس قدر اعتبار و اقتدار عطا کیا ۔ تاہم یہ بھی عیاں ہے کہ سلطنت بڑی نازک مزاج اور حاسد طبع معشوق ہے ۔ وہ ذرا سی رقابت بھی برداشت نہیں کر سکتی چنانچہ تصادم ناگزیر تھا ۔ اس لیے کہ فرخ سیر ابھی اکبر شاہ ثانی یا بہادر شاہ ظفر نہ بنے تھے ۔ جب وہ تصادم واقعی قریب آ گیا تو سادات کو فیصلہ کرنا پڑا کہ قتل ہو جائیں یا قتل کر ڈالیں اور اگر وہ قتل کر سکنے پر قادر تھے تو قتل ہوتے کیوں ؟ مختصر یہ کہ انھوں نے فرخ سیر کو بے دردی سے شہید کر دیا ۔ بیدل کو معلوم تھا کہ سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک سادات بارہہ ہیں جن سے تعاون کرنا ہر طرح مفید ہو سکتا ہے درانحالیکہ کہ فرخ سیر لوٹ کر آنے کا نہ تھا ۔ مگر بیدل نے دل کی کلفت کا اظہار بر ملا کیا ۔

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند صد جور و جفا ز راہ خامی کردند
تاریخ چوں از خرد جستم فرمود سادات بوی نمک حرامی کردند

یہ شعر اس وقت کہے جب عمر عزیز ستر برس کے لگ بھگ تھی ـــ احوال دگرگوں تھے ، سادات کی جانب سے بھی سزا دہی کا خدشہ تھا ، چنانچہ بیدل پنجاب کی طرف نکل گئے جہاں نواب عبدالصمد گورنر تھے ، انہیں ناظم پنجاب کہا جاتا تھا ۔ چندے وہاں قیام کیا ۔ جب سید برادران مارے گئے تو بیدل واپس دہلی تشریف لے گئے مگر زیادہ دیر نہ جئے ۔ چند ہی ماہ بعد ۱۷۲۱ء/۱۱۳۳ھ میں وفات پا گئے ۔ اس طرح بیدل نے مرنے والے کی خاطر زندہ قوتوں کو دشمن بنا لیا ، تاہم وہ کرتے بھی کیا ۔ طبیعت ہی بیقرار ہو تو کوئی کیا کرے ، وہ مظلوم کے حق میں بولے بغیر رہ ہی نہ سکتے تھے ۔ یہ کہانی اُس وقت اور بھی حیرت انگیز ہو جاتی ہے جب یہ پتہ چلے کہ سادات بارہہ بیدل کے بڑے قدر داں تھے ۔ صاحب ''مجموعۂ نغز'' میر قدرت اللہ قاسم نے بیان کیا ہے کہ ۔

''نواب قطب الملک امیر الامراء سید حسین علی خاں کے بیدل سے پرانے تعلقات تھے ، چنانچہ ایک بار انھوں نے بڑے شوق اور محبت سے پیغام بر خاص کے ذریعے بڑی عزت و منزلت کے ساتھ بیدل کو اپنے گھر

بلوایا اور دو تین روز اپنے پاس رکھا ، پھر رخصت کرتے وقت تین لاکھ روپیہ پیش کیا ۔ مرزا نے سید صاحب کے اخلاق کے پیش نظر قبول کر لینا چاہا مگر شانِ فقر کا فیصلہ اس کے برعکس تھا چنانچہ بیدل نے بڑی دانش مندی سے یہ کہہ کر دولت کو ٹال دیا کہ میں غریب آدمی ہوں ، میرے مکان میں تو اس دولت کے لیے جگہ بھی نہیں ، اور پھر آپ سے بہتر امانت دار کون ہوگا ، آپ اس رقم کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھیے مجھے جب بھی ضرورت ہوگی لے لیا کروں گا''[1] ۔

یہ عالم استغنا کتنے دلیا داروں کو اور خاص طور پر اُس دورِ مطلق العنانی کے کتنے شعراء کو میسر تھا ۔ آزاد بلگرامی نے بیدل کی ''غنا سرائی'' کے ضمن میں قلمبند کیا ہے کہ ۱۷۲۰ء میں جب نظام الملک نے حیدر آباد میں اپنا اقتدار قائم کر لیا تو بیدل کو دکن بلایا ، نظام الملک بیدل کے عقیدت مند اور شاگرد تھے ، لازماً جاگیر وغیرہ سے نوازنا مقصود تھا ۔ لیکن بیدل نے یہ جواب دے بھیجا کہ ۔

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جایٔ خویش
من بستہ ام حنائی قناعت بہ پایٔ خویش

ڈاکٹر عبدالغنی کہتے ہیں کہ ۔

''بیدل کو بادشاہوں یا ان کے وزراء کے فیضان توجہ پر احساسِ فخر نہ ہوتا تھا ۔ وہ غرباء سے ملنا باعث ننگ نہ جانتے تھے ۔ وہ انصاف کے حامی تھے اور جب بھی کوئی آزمائش کی گھڑی آئی انہوں نے ساتھ مظلوم ہی کا دیا ۔ انسان دوستی کی رو سے انھیں اُس دور کا بے مثال شخص قرار دیا جا سکتا ہے''[2]۔

بیدل نے اپنے اس عقیدے کو ذیل کے اشعار میں کتنے خلوص اور ذوق کے ساتھ بیان کیا ہے ۔

عالم ہمہ کارخانۂ استغناست — ایں جا تفریق ذلت و فخر خطاست
گر در یابی گدا کہ و منعم کیست — باہیچ کسست غیر ادب نایدر است

۱۔ مجموعۂ نغز ص ۱۱۷ شیرانی ایڈیشن ۱۹۳۳ء ۔
۲۔ Life and works of Bedil, p. 274 ۔

این محفل نازیست کہ انیجا ہر کس
مستغنیٔ خویش میباشد و بس
زاں ساں کہ مگس بہ رازِ عنقا نہ رسد
عنقا ہم نیست محرم راز مگس

کچھ شعر ان کی نظم "عرفان" میں سے ملاحظہ کیجیے ۔

از شبانی چہ عار داشت کلیم[۴]
و ز عمارت چہ ریخت ابراہیم[۴]
زیں چمن ہر گلی بہاری داشت
ہر گراوست بود کاری داشت
ننگ فقر از قصور ہمت تست
فخر و جاہ از غرور غفلت تست
جامہ خواہ اطلس است و خواہ پلاس
شخص باطل نمی شود ز لباس

انھیں ہر ظالم شخص سے سخت نفرت تھی وہ اس کے اظہار کا موقع نکال لیتے تھے ۔ صاحب "مجموعۂ نغز" نے ایک رئیس جور پیشہ کا ذکر کیا ہے جس نے مرزا بیدل سے کہا ، "شما ریش می ترا شید" مرزا نے جواب دیا "بلی ریش خود میتراشم ، دلی کسی نمی خراشم"[۱]۔

بیدل کی محبت کے لیے شرط درجۂ جاہ و منصب کی بلندی و پستی نہ تھی بلکہ ہم مزاجی و ہم مشربی تھی ۔ اور وہ اس رائے کا اظہار علی الاعلان کرتے تھے اور اُس دور میں کرتے تھے جب یہ امتیاز "بلند و پست" معاشرے کا عمومی مزاج بنا ہوا تھا ۔ مگر بیدل اس عالم ہر کس زوائیے سے نظر ڈالتے تھے ؟ وہ بھی دیکھ لیجیے ۔

امروز قدر ہر کس مقدار مال و جاہ است
آدم نمی تواں گفت آں را کہ خرنباشد

یعنی جب تک کوئی مال و جاہ سے گدھے کی طرح لد نہ جائے یا مال و جاہ کو مایۂ تفاخر جاننے والا گدھا نہ بن جائے لوگ اسے آدمی ہی نہیں

۱- مجموعۂ نغز ص ۱۱۷ ۔

مانتے ۔ اسی انداز کے چند شعر مزید درج کیے جاتے ہیں ، یوں تو یہ بیدل کا محبوب موضوع ہے اس لیے ہزاروں دلکش اشعار اس ضمن میں موجود ہیں :

فعل صاحب منصب است و گاوخر روزینہ دار
فخر انسانی ز روئی منصب و روزینہ نیست
سخت در تیار جسم افتادہ ای ہشیار باش
عاقبت از سعی تعمیر ایں بنا خواہد شکست
بنائی کعبۂ دل در شکست حرص و ہوا ست
خلیل۴ ساں بشکن کارخانۂ آذر
آرائش کوس و دہل از خواجہ عجب نیست
خرسی بخروش آمدۂ خرشدہ باشد
آں طرف احتیاج انجمن کبریا یست
چوں ز طلب در گزشت بندہ خدا میشود

بیدل ہر اس شخص کی عزت کرتے تھے جسے کارِ دولت اور بارِ زر نے خر نہ بنایا ہو اور اس کے لیے وجہ تفاخر اس کا جوہر آدمیت ہو ۔ وہ انسانیت کے قدر داں تھے خواہ وہ کسی لباس میں ہو ۔ وہ جب بھی اور جسے بھی لائق تحسین جانتے تھے اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے ، تعریف اور مدح وہ بھی فرماتے تھے اور چونکہ وہ پیشہ ور ثناخواں نہ تھے اس لیے اُن کے منہ سے جس کی اور جتنی تعریف نکلتی تھی قابل قدر ہوتی تھی ، انھوں نے بادشاہوں کی بھی حوصلہ افزائی کی اور اُمراء کی بھی ، مگر جب تک خوش گمانی قائم رہی ۔ برعظیم میں مسلمان ایک اقلیتِ قلیلہ تھے ان کی بقا و عزت کے لیے مرکزی مسلمان حکومت کا استحکام ضروری تھا تاکہ مسلمان اقلیت ہونے کے باوصف رعب داب کے مالک بنے رہیں ۔ اس اعتبار سے بیدل بھی ایک مملکت اور ایک ملت کے فرد تھے ۔ چنانچہ جب بھی مملکت کے اعتبار و وقار میں اضافہ ہوتا تھا وہ ایک مسلمان سپاہی کی طرح اظہار خوشی کرتے تھے جیسے اورنگ زیب کی فتوحات دکن کے ضمن میں کیا اور اگر حالات بگڑتے تھے تو وہ جھلاتے تھے اور ان کی زبانِ تنقید بڑی تلخ ہوتی تھی ۔ اس امر پر ان کی رباعیاں ، عام اشعار غزل اور بعض نظمیں گواہ ہیں ۔

حیرت تو یہ ہے کہ درجنوں اصحابِ کوس اور ارباب دہل ان کے مداح اور قدر داں تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ اُن کے طبقے کی حیثیت بیدل کی نظروں میں علی العموم خرس و خر سے زیادہ نہ تھی ـــــ ان امراء و حکام میں سے جو لوگ بیدل سے بہت زیادہ قریب تھے وہ سادات خواف تھے جن کے سربراہ نواب عاقل خاں رازی تھے ، عاقل خاں بڑے صاحبِ علم ، خوش فکر اور منکسر مزاج شخص تھے ۔ شاعر بھی اچھے بھلے تھے ۔ طبیعت میں صوفی منشی کا جوہر موجود تھا ۔ انھیں عاقل خاں کے رشتہ داروں میں نواب لشکر اللہ خاں ، شاکر خاں ، کرم اللہ خاں ، لطف اللہ خاں ، لشکر خاں وغیرہ شامل تھے ۔ یہ سارے حکام و امراء بیدل کی بڑی ہی عزت کرتے تھے ۔ بیدل کے رقعات ان عزیزوں کے ذکر سے معمور ہیں ۔ یہی انہیں بلکہ سینکڑوں اشعار بھی ان لوگوں کی شان میں کہے ہیں ۔ بجا کہ یہ لوگ بھی بیدل کی بھرپور خدمت کرتے تھے ۔ مگر ان کی خدمت نے بیدل کا ان کی عمر طبیعی تک ساتھ دیا اور بیدل کی محبت نے انھیں غیر فانی بنا دیا ۔ عرب تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص ہرم بن سنان کی اولاد میں سے ، حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملا اور جب تعارف ہوا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ''زہیر بن ابی سلمی نے تم لوگوں کی مدح سرائی کی ہے اور خوب کی ہے''۔ اس نے جواب دیا ''ہم بھی اُسے نوازتے تھے اور خوب نوازتے تھے''۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''جو کچھ تم نے دیا وہ ناپید ہوگیا اور جو کچھ اُس نے دیا وہ پائدار ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا'' ـــــ ہاں مگر سادات خواف کے علاوہ بھی درجنوں امراء و عظماء جن کے اسماء گنوانا ضروری نہیں معلوم ہوتا بیدل کے برخوردار عقیدت مند تھے ۔ خود بیدل کے یہاں حاضر ہوتے تھے اور اگر بیدل ان کے یہاں پہنچتے تھے تو وہ اس امر کو اپنے لیے بہت بڑی عزت جانتے تھے ۔

بیدل کی عظمت و شان کا ایک قصہ عام منقول ہے ۔ وہ یہ کہ کابلی تاجر پھلوں کا قافلہ لے کر کابل سے واردِ ہند ہوا ۔ پھل بقضائے الٰہی ضائع ہوگیا اور تاجر کا حال پتلا ہوگیا ۔ اس نے بیدل کے حضور اپنی داستان غم بیان کی ، انھوں نے ایک شعر لکھ کر نواب لشکر اللہ خاں کے یہاں بھیجا ۔ شعر یہ تھا :

بخیۂ کفشم اگر دندان نما شد عیب نیست
خندہ دارد چرخ ہم بر ہرزہ گر دیہای من

نواب صاحب نے جانا بیدل کا جوتا پھٹ گیا ہے ۔ خدمت کے لیے موقع غنیمت سمجھا اور ایک لاکھ روپیہ روانہ کر دیا ۔ بیدل نے وہ لاکھ روپیہ اُس تاجر کو دے دیا ۱۔ گویا ایک لاکھ روپیہ بیدل کے ضمن میں محض گردِ کفش ہو کر اڑ گیا ۔

آسود گانِ گوشۂ دامانِ ہوریا مخمل خریدہ اند ز دکانِ ہوریا

آدم کو درسِ خودی دینے کے لیے یوں تو انھوں نے ہر صنف میں بہت کچھ کہا مگر ایک نظم "کیمیا" بالخصوص لائق توجہ ہے ۔ اس میں انھوں نے کیمیا گر کو علامت بنا کر حرص و آز کی کمند اندازی اور آدم کی بے بصری ، ضعف ارادہ اور جوہرِ خودی سے محرومی پر تفصیلی بحث کی ہے اور بار بار جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر مہوس کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یافت سے حرص کا علاج نہیں ہوتا ، حرص اور بڑھتی ہے ۔ قناعت اپنے اندر پیدا کر اور قناعت اس وقت تک پیدا نہ ہوگی جب تک اپنی حیثیت نگاہوں پر واضح نہ ہوگی اور وہ یہ کہ خزانۂ کائنات میں سب سے انمول موتی آدم ہے ۔ ہر شے کا عیار و وقار آدم کے باعث ہے ۔ آدم کو چاہیے کہ اپنی خودی پہچانے ، اپنے دل میں جھانکے کہ یہ مملوک نہیں مالک ہے ، خادم نہیں مخدوم ہے ۔ طالب نہیں مطلوب ہے ، جہاں اس کے لیے ہے یہ جہاں کے لیے نہیں ۔ "کیمیا" میں سے کچھ شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں ۔ یہ نظم لمبی ہے دو اڑھائی سو اشعار پر مشتمل ۔

ای مہوس در ہوائی کیمیا میطپد نبض تو چوں زیبق چرا
ہیچ تیزابی چوں اشک گرم نیست لیک در چشم تو آب شرم نیست
دست اگر میخاردت چشمی بمال تا دل از سودن نگردد پائمال
ہر کہ از سیماب میخواہد ثبوت نغمہ میجوید زتارِ عنکبوت
زیں خیالِ پوچ نتواں کرد کم گردش از افلاک و از سیماب رم

۱۔ "Life and Works of Bedil p. 274" بحوالۂ نگارستان پارس از محمد حسین آزاد ص ۱۸۰ ۔

در ہوای زر مکش بیہودہ رنج — کم نگردد حرص خاک از وصل گنج
عقد ایں اجساد می آرد ملال — عقد کن دل را بیاد ذوالجلال
عالمی را کرد حرص سیم کور — برق اکثر بردہ است از چشم نور
نی خدا دانند اینہانی رسول — دیں مجو زیں زر پرستان فضول
ہر کہ بنیاد غنا تعمیر کرد — دستگاہش حاصل از اکسیر کرد
آرزو گر سوزد اسباب غناست — چوں دلت آرام گیرد کیمیاست

ترک ایں تدبیر تدبیرت بس است — از گداز خویش ، اکسیرت بس است

''از گداز خویش اکسیرت بس است''۔ یہ محض بیدل کا دعویٰ ہی نہ تھا ۔ ان کی پوری زندگی اس دعویٰ کی دلیل تھی ۔ ان کا نشہ ، عظمت آدم کا تصور تھا ۔ وہ عظمت آدم کی تلاش میں رہے اور آدمی تعمیر کرتے رہے ۔ وہ آدم کی توجہ اُس کے مایۂ آرائش اور منفکات سے ہٹا کر جوہر آدمیت کی طرف منعطف کرتے رہے ۔ ان کے افکار و اشعار کی یہ روح بالیدہ ہی وہ صفت تھی جس کی بنا پر شاعر خودی علامہ اقبال ، بیدل کو بڑی ارادت کی نظر کے دیکھتے تھے ۔ بیدل آدم کو یاد دلاتے رہے کہ

بہر ترتیب نظم امکانی — چوں ردیف و قوافیٔ غزلیم
ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن در آ
تو ز غنچہ کم ندمیدہ ای در دل کشا بہ چمن در آ

پیدائی ما کون و مکاں از عدم آورد — جانیز نبودہ ست بجای کہ نبودیم

بیدل کے اس شعر کے ساتھ ہی مولانا روم کا یہ شعر ذیل بے اختیار زبان پر آ گیا ہے ۔

قالب از ماہست شدنی ما ازو
بادہ از ماست شدنی ما ازو

مقالہ بیدل کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں ۔

بحسن خویش نگاہی کہ در جہان ظہور
خطاب احسن تقویم داری از خلاق

یہ کہانی لذیذ ہے ۔ ''در از تر گفتن'' کی خواہاں ۔

ع ولی تاب ''گفتار'' گوید کہ بس